مولانا سید عبدالشکور ترمذی ساہیوال سرگودھا

اسلام میں ارتداد کی سزا

مخالفین کے شبہات کا ازالہ

پچھلے چند دنوں سے ایک بار پھر اسلام میں سزائے ارتداد جیسے قطعی اور اجماعی مسئلہ کو چند روشن خیال متجددین اور مغرب زدہ حضرات نے مشق ستم بنایا ہے۔ پیش نظر مضمون میں ایسے لوگوں کے دلائل کا جائزہ لیتے ہوئے صحیح نقطۂ نظر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ "ادارہ"

پاکستان اسلامی جمہوریہ حکومت ہے۔ ایک اسلامی حکومت میں یہ بات قابل اعتراض ہونے کے ساتھ باعث اضطراب وتشویش بھی ہے کہ اس میں حکومت کے اساسی نظریہ اسلام کے خلاف سرگرمیوں پر کسی قسم کی پابندی نہ لگائی جائے اور عیسائی مشنریوں تک کو کھلی اجازت ہو کہ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کر کے مسلمانوں کو عیسائی بناتے رہیں اور مسلمانوں پر بھی کوئی ایسی پابندی نہ لگائی جائے۔ کہ وہ اپنا مذہب تبدیل کر کے عیسائی وغیرہ بنانے سے باز رہیں اور اس طرح مذہب اسلام کے تبدیل کرنے کی مسلمانوں کو کھلی چھٹی حاصل ہو۔ اسلامی حلقوں کی یہ شکایت بجا ہے۔ کہ پاکستان میں عیسائی مشنریوں کو مسلمانوں میں ارتداد کے جراثیم پھیلانے کا حق دیدیا گیا۔ اور انہوں نے مسلمانوں کو اسلام سے گمراہ کر کے عیسائی بنا لیا ہے۔

آزادی کے وقت ہمارے ملک میں عیسائیوں کی تعداد پانچ لاکھ سے کم تھی آج ان کی تبلیغی سرگرمیوں اور ترغیب وتحریص کے شکم پرور ذرائع کی وجہ سے ان کی تعداد ۲۸ لاکھ سے اوپر ہے (نوائے وقت ۲۳ رمئی ۱۹۷۳ء)

بلاشبہ شخصی حقوق کے تحت اسبات کی اجازت پر تو کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے کہ کوئی شہری اپنے مذہب پر عقیدہ رکھے اس پر عمل کرے۔ مگر قانون اسلام کی رو سے کسی

مسلمان کو یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ مذہب اسلام کو تبدیل کر کے مرتد ہو جائے۔ اور وہ مملکت کے اساسی نظریۂ اسلام کو ترک کر دے۔

ایک مسلمان کا دینِ اسلام سے انحراف اور اسلامی سلطنت کے اساسی نظریۂ اسلام سے بغاوت کرنا اگر قابلِ سزا جرم نہیں ہے تو کیا اس سے یہ ثابت نہ ہوگا کہ دین اسلام (نعوذ باللہ) ایک بے حقیقت دین ہے جس سے انحراف کی کوئی سزا نہیں ہے کیا دینِ اسلام اور اسلامی مملکت ایسی ہی بے قدر و قیمت چیزیں ہیں کہ ان کے بارہ میں کھلی اجازت ہو کہ جس قسم کا چاہے طرزِ عمل اختیار کر لیا جائے اور کوئی روک ٹوک نہ کی جائے۔ نوائے وقت ۱۳ر فروری ۱۹۷۰ء کے شمارہ میں الحاج ممتاز احمد فاروقی نے مولانا مفتی محمود صاحب کے انٹرویو کے جواب میں جو مضمون مسئلہ ارتداد اور اسلام کے عنوان سے سپردِ قلم کیا ہے۔ اور اس میں انہوں نے یہ سوال قائم کیا ہے کہ "کیا مذہب اسلام نے واقعی ارتداد کی سزا قتل مقرر کی ہے؟"

اس سوال کا جواب یہی ہے کہ اسلام نے واقعی ارتداد کی سزا قتل مقرر کی ہے اور یہی سزا قرآنِ کریم اور احادیث صحیحہ اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ ارتداد کے معنی اگرچہ لغت میں لوٹ جانے اور پھر جانے کے ہیں۔ مگر اصطلاحِ شریعت میں اسلام اور ایمان میں داخل ہونے کے بعد کفر کی طرف لوٹ جانے کے ہیں۔ مفرداتِ امام راغب میں ہے: ھو الرجوع من الاسلام الی الکفر۔ اسلام سے کفر کی طرف پھر جانے کا نام ارتداد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس سے ارتداد میں اسلام کی بے قدری اور اس کی سخت توہین ہے۔ اس لئے ارتداد کی سزا قتل مقرر کی گئی ہے۔ جس طرح کسی حکومت کی رعایا بن جانے اور حکومت تسلیم کر لینے کے بعد پھر اس سے باغی ہو جانے میں اس حکومت کی توہین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی حکومت کی رعایا بن جانے کے بعد اس سے بغاوت کی سزا سخت ہوتی ہے۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے قوانین کی رو سے فاروقی صاحب کے مضمون کا تفصیلی جائزہ لیا جائے۔ اور کتاب و سنت کی روشنی میں اس کے دلائل کا تجزیہ کیا جائے۔

پہلی دلیل اور اس کا تجزیہ مضمون نگار نے پہلی دلیل ارتداد کی سزا قتل نہ ہونے پر قرآن کریم کی آیت پیش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "قرآن کریم نے سورۂ بقرہ آیت ۲۵۶ میں صاف فرمایا ہے کہ دین [illegible] نہیں۔ ہدایت کی راہ گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔ آگے لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ [illegible] پیروں کو کچھ نہیں منواتا بلکہ جو چیز منواتا ہے۔ اس کی دلیل بھی دیتا ہے کہ ہدایت کی راہ واضح ہو چکی۔"

سورہ بقرہ کی آیت ۲۵۶ جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے

اس کے الفاظ یہ ہیں: لا اکراہ فی الدین۔ "زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں" اس سے اوپر

کی آیت ، وانک لمن المرسلین ۔" اور بلاشبہ آپ ہمارے پیغمبروں میں سے ہیں۔" میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بیان ہے۔ اور زیرِ تفسیر آیت سے ملی ہوئی آیت الکرسی میں حق تعالیٰ کی توحید ذات اور عظمت صفات کا بیان ہے۔ اور یہی دو امر توحید و رسالت جن کا ذکر اس آیت سے پہلے فرمایا گیا ہے، دین اسلام کے اصل الاصول ہیں۔ اور جب ان دونوں کو دلائل سے ثابت کر دیا گیا۔ تو اس سے دینِ اسلام کی حقانیت کا بھی لازمی طور پر ثبوت ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حق | حق تعالیٰ جل شانہٗ اپنی ربوبیت عامہ اور حکومت کاملہ اور مخلوق کی محکومیت اور عبدیت کی بنا پر اپنے مخلوق و محکوم بندوں کو دین اسلام کے قبول و تسلیم کرنے پر مجبور کریں۔ تو یہ بھی ان کا جائز حق ہے۔ اس لئے حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ اگر تکوینی طور پر اپنے اس حق کی روائگی کا بجبر مطالبہ کریں اور اپنے قدرت و تصرف سے سب کو اسلام کے قبول کرنے پر مجبور کر دیں۔ یا تشریع کے ذریعہ ایسا شرعی ضابطہ مقرر فرما دیتے، جس سے سب کو بجبر اسلام میں داخل ہونا پڑتا تو کسی کو اس پر حرف گیری اور لب کشائی کا حق نہیں پہنچتا۔ کیونکہ وہ سب کا خالق اور مالک ہے۔ اور خالق و مالک کو اپنی مخلوق و مملوک میں ہر طرح کے تصرف کرنے اور اس کے لئے ہر قسم کے قانون بنانے کا حق حاصل ہونا ایک مسلمہ بات ہے۔۔۔۔

باوجود حق ہونے کے جبر نہ کرنے میں حکمت | لیکن چونکہ یہ دنیا آزمائش اور ابتلا کا مقام ہے۔ اس لئے دنیا میں کسی شخص کو ایمان لانے اور اسلام کے قبول کرنے پر اس طرح مجبور کرنا کہ اس کو ایمان کے قبول نہ کرنے پر اختیار ہی نہ رہے اور اس کے قبول کرنے پر وہ تکوینی یا تشریعی طور پر مجبور محض ہو جائے، حکمت کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس سے آزمائش و ابتلا کی مصلحت فوت ہو جاتی ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے کسی کو دینِ اسلام کے قبول کرنے اور ایمان لانے پر نہ تو تکوینی طور پر مجبور فرمایا اور نہ ہی تشریعی طور پر کوئی ایسا قانون بنایا کہ لوگوں کو مجبوراً اسلام قبول کرنا پڑتا ہو۔

دینِ اسلام قبول کرنے میں اختیار | اس لئے بندوں کو نہ صرف یہ کہ باختیار خود ایمان لانے کا اختیار دیدیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے اختیار سے ایمان لا کر دینِ اسلام کو قبول کریں۔ اور اگر نہ چاہیں تو قبول نہ کریں بلکہ ایمان کے معتبر ہونے کیلئے اس کا باختیار خود قبول کرنا شرط قرار دیدیا اور حالتِ اضطرار اور جبراً سے قبول کیا ہوا ایمان اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیر معتبر اور نامقبول قرار پایا۔

آیت کی تفسیر | آیت زیرِ تفسیر میں اسی بات کا اعلان فرمایا گیا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:
لا اکراہ فی الدین جبر، یعنی (دین) کے قبول کرنے میں، ہماری طرف سے (کوئی جبر نہیں ہے) بلکہ ہر ایک

کو ہم نے اختیار دے دیا ہے۔ اور اب اپنے اختیار کو ایمان کے یئے کام میں لائے یا کفر کیلئے یہ ہر شخص کا اپنا کام ہے اور دین کے قبول کرنے پر جبر کا اس لئے موقع نہیں ہے کہ: قد تبین الرشد من الغی۔ ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔ اور اسلام کی خوبی قطعی دلائل سے واضح ہے۔ اور جبر و اکراہ ایسے کام میں کیا جاتا ہے جسکی خوبی مخفی ہو واضح نہ ہو۔ جب دلائل سے دین اسلام کی خوبی ثابت کر دی گئی اور ہدایت گمراہی سے ممتاز اور جدا ہو چکی تو اب جبر و اکراہ سے کسی کو اسلام قبول کرانے اور مسلمان بنانے کی کیا حاجت ہو سکتی ہے۔؟

ایسی حالت میں جو شخص بھی دینِ اسلام کی خوبیوں سے اعراض اور اس کے محاسن سے صرف نظر کرے گا۔ اور ہدایت سے روگردانی کر کے کفر گمراہی کو اختیار کرے گا تو وہ دیدہ و دانستہ اپنے اختیار سے خود کو تباہی میں ڈالے گا۔ اس لئے اس کا ذمہ دار بھی وہ خود ہی ہوگا۔ کسی کو کیا ضرورت ہے کہ وہ ایسے شخص کو اسلام کے قبول کرنے پر مجبور کرے۔

اسلام و کفر کے احکام البتہ یہ ضرور ہے کہ اسلام اور کفر میں سے جسکو بھی اختیار کیا جائے گا۔ اس کے احکام اور آثار اس پر ضرور مرتب ہوں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مثلاً دینِ اسلام کے قبول کرنے پر مومن کیلئے جنت کی ہمیشہ کی راحتیں اور قبول نہ کرنے پر دوزخ کی دائمی تکالیف۔ یہ تو آخرت میں اسلام و کفر کے آثار اور اچھے برے نتائج ہیں۔ اور مثلاً مومن معصوم الدم ہونا اور کافر کا بعض حالتوں میں مباح الدم وغیرہ ہونا اسلام و کفر کے دنیا میں احکام اور نتائج ہیں۔ کیا یہ احکام لااکراہ فی الدین۔ کے خلاف ہیں۔؟ تفسیر مذکور سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس آیت میں جس جبر و اکراہ کی نفی کی گئی ہے۔ اس سے مراد دینِ اسلام کے قبول کرنے میں جبر و اکراہ ہے۔ اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ کسی کافر اور غیر مسلم کو دین اسلام کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ مگر اس کا یہ مطلب سمجھنا درست نہیں ہے۔ کہ قرآنِ کریم اپنے پیروؤں کو بھی بجبر کچھ نہیں منواتا اور مسلمانوں پر بھی اسلام کے ترک کرنے پر پابندی عائد نہیں کرتا جیسا کہ مضمون نگار نے سمجھ لیا ہے۔ آیت کا یہ مطلب ایسا ہی غلط ہے۔ جیسا کہ اس کا یہ مطلب بتلایا جائے کہ دین کے معاملہ میں جتنی بھی سختی اور جبر کیا جائے اس کو سختی اور جبر نہیں سمجھا جانا چاہئے۔ اور دین کے معاملہ میں ہر طرح کا جبر کرنے کی اجازت ہے۔ اگر دین میں جبر و اکراہ کی نفی کا یہ مطلب لیا جائے کہ اسلام کے قبول کر لینے کے بعد ہر قسم کی آزادی کی ضمانت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اس سے بجبر کچھ نہیں منوایا جاتا۔ یہاں تک کہ اسلام کے بعد کفر کو اختیار کرنے پر بھی اس سے دار و گیر نہیں کی جا سکتی۔ پھر تو کسی بھی جرم کے ارتکاب پر سزا کا نافذ کرنا جبر و اکراہ کی نفی کے خلاف ہوگا۔ اور ہر

شخص جرم نہ کرنے پر مکرہ اور مجبور ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ مطلب بالبداہت غلط اور باطل ہے۔ کیونکہ اس سے تو لازم آتا ہے کہ قتل، زنا، چوری وغیرہ کی جو سزائیں قرآن وحدیث سے ثابت ہیں ان سزاؤں کا نفاذ اور اجراء بھی جبر واکراہ میں شمار کیا جائے اور ان سزاؤں کے خوف سے جو لوگ ان جرائم پر اقدام نہیں کرتے وہ بھی جرائم کے نہ کرنے پر مجبور ہو جائیں، اسی طرح حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے اور نماز، روزہ وغیرہ فرائض کے ادا نہ کرنے پر کسی قسم کی سزا کا تجویز کرنا بھی جبر واکراہ میں داخل ہو جائے گا۔ اور حقوق زوجیت وغیرہ کے ادا نہ کرنے کی صورت میں بھی کسی کو مطالبہ کرنے کا حق نہیں رہے گا۔ اور نہ اس پر کسی طرح کی سزا مقرر کرنا جائز ہوگا۔ اور یہ کہہ دیا جائے گا۔ کہ قرآن اپنے پیروؤں کو بھی بجبر کچھ نہیں منواتا۔ اس لئے حقوق اللہ یا حقوق العباد کے ترک کرنے اور اس میں کوتاہی کرنے پر اگر سزا تجویز کردی گئی تو ان حقوق کی ادائیگی پر جبر واکراہ لازم آکر لا اکراہ فی الدین کے خلاف ہو جائے گا — تو کیا اب قاتلوں، زانیوں اور شرابیوں چوروں کو بھی کھلی چھٹی دیدی جائے گی اور ان پر کوئی سزا نہیں تجویز کی جائے گی۔؟ کیا نماز روزہ اور حقوق اللہ نیز حقوق العباد کے ترک پر بھی کسی کی دارو گیر نہیں کی جائے گی۔؟ آیت میں جبر واکراہ کی نفی کا یہ مطلب کہیں کسی بھی عاقل کے نزدیک درست ہو سکتا ہے۔؟ اور کیا کوئی بھی دنیوی قانون اور حکومت اس قسم کی کھلی چھٹی دے سکتا ہے۔

مرتد کی سزا بھی لا اکراہ فی الدین کے خلاف نہیں اگر جرم قتل اور جرم زنا وغیرہ کی سزا کو جبر واکراہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا تو جرم ارتداد اور ترک اسلام کی ایسی سزا کو جبر واکراہ کیونکر کہا جا سکتا ہے۔؟ جسطرح یہ سزائیں ان افعال اختیاریہ پر مرتب ہوتی ہیں۔ اسی طرح ارتداد اور اسلام کے بعد اس کے انکار و کفر کو اپنے اختیار سے قبول کرنے کا نتیجہ سزائے قتل کی صورت میں مرتد پر مرتب ہوتا ہے۔ اور اس کو وہ اپنے اختیار سے برداشت کرتا ہے۔

سزائے ارتداد اور حد زنا و قصاص میں فرق غور کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ سزائے ارتداد اور حد زنا اور قصاص میں یہ فرق بھی ہے کہ حد زنا اور قصاص سے بچنا زانی اور قاتل کے اختیار سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور مرتد کو سزائے قتل سے بچنے کا اختیار حاصل رہتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو ارتداد سے توبہ کرکے سزائے قتل سے بچ سکتا ہے۔ لیکن زانی اور قاتل کے اختیار میں یہ بات نہیں ہے وہ حد زنا اور قصاص سے خود کو بچائے۔ اب اگر مرتد کفر کو اختیار کرکے اس کے نتیجہ سزائے قتل کو اختیار کرتا ہے تو یہ اس کا اپنا اختیاری فعل ہے۔ اس پر وہ مجبور نہیں ہے۔ اسی طرح اگر وہ توبہ کرکے اسلام کو قبول کر لیتا ہے تو یہ بھی اس کا اختیاری فعل ہے۔ اس پر بھی وہ مجبور نہیں ہے۔

غلط فہمی ارتداد کی سزائے قتل کو اکراہ میں داخل کرنے والوں کو دراصل یہ غلط فہمی ہو رہی ہے کہ وہ اس سزا کو اسلام پر مجبور کرنے کیلئے سمجھ رہے ہیں۔ اور جب انہوں نے یہ دیکھا کہ اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں مرتد پر یہ سزا جاری کر دی جاتی ہے تو اس سے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ سزا اسلام کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے دی جا رہی ہے۔ حالانکہ یہ سزا تو اس پر ترکِ اسلام کے نتیجہ کے طور پر مرتب ہو رہی ہے۔ اور اس کے جرم ارتداد کا یہ خمیازہ اسکو بھگتنا پڑ رہا ہے۔

البتہ اس نتیجہ کے ترتب سے بچنے کا اس کے لئے ایک راستہ قبولِ اسلام کھلا ہوا ہے۔ ارتداد کے بعد مرتد کو اسلام کی مہلت اسکو زبردستی اسلام میں داخل کرنے کے لئے نہیں دی جاتی بلکہ خیر خواہان مشورہ کے طور پر اس کو سزائے ارتداد سے بچنے کا ایک راستہ دکھلایا جاتا ہے۔

غرضیکہ ترکِ اسلام کے بعد دوبارہ اسلام کا قبول کر لینا جرم ارتداد کی سزا سے بچنے کی ایک تدبیر ہے اور اس نتیجہ کے ترتب سے مانع ہے۔ جو ترکِ اسلام کے بعد اس پر مرتب ہونے والا ہے۔ کا یہ جرم ارتداد سے ہی مستحق ہو چکا ہے۔ لیکن جب وہ اپنے بچاؤ کی تدبیر نہیں کرتا اور پر اصرار کرتا ہے۔ جرم ارتداد کی سزا کا اس پر ترتب ہو جاتا ہے۔ اور ارتداد کا خمیازہ اس کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اب اس سے یہ سمجھ لینا کہ تلوار کے زور سے اسکو قبولِ اسلام پر مجبور کیا جاتا ہے کس قدر غلط فہمی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ترکِ اسلام قابلِ سزا جرم ہے۔ اور وہ اپنے پیروؤں کو جبراً اسلام پر قائم رکھتا اور کسی مسلمان کو ترکِ اسلام کی اجازت نہیں دیتا۔ اور ظاہر ہے کہ اپنے پیروؤں پر کسی قسم کی پابندی عائد کرنا اور ان کو جبراً کوئی بات منوانا جبراً اسلام میں داخل کرنا نہیں ہے۔ اور یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اپنے ماننے والوں پر جبری احکامات کا نفاذ کسی طرح بھی قابلِ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ جیساکہ آگے اس کی تفصیل آ رہی ہے۔ اگر جرم ارتداد پر مہلت دئے بغیر ہی اسکی سزا کو جاری کر دیا جایا کرتا یا مرتد کا دوبارہ قبولِ اسلام نامقبول اور غیر معتبر پاتا تب بھی اس پر کسی اعتراض کا موقع نہیں تھا۔ کیونکہ جرائم کے ارتکاب اور ثبوت عند الحاکم کے بعد بھی توبہ کر لینے سے دنیوی حدود ساقط نہیں ہوا کرتیں۔ یہ سہولت صرف حد ارتداد کے نفاذ میں ہی دی گئی ہے۔ کہ جرم ارتداد کے ثبوت عند الحاکم کے بعد بھی توبہ کر لینے اور رجوع الی الاسلام کی وجہ سے اس کی دنیوی سزا کو ساقط کر دیا جاتا ہے۔

اگر دین میں جبر و اکراہ کی نفی کا یہ مفہوم صحیح ہو کہ دین میں کسی بات پر بھی جبر نہیں کیا جاتا تو پھر کیا قتل اور ڈکیتی وغیرہ کی ان [illegible] سزاؤں کو بھی اس مفہوم کے خلاف کہا جائے گا۔ جن کا ثبوت قرآن و حدیث سے

ہو رہا ہے۔ حالانکہ ارتداد کی سزا کی نسبت ان سزاؤں کا اس مفہوم کے خلاف ہونا زیادہ واضح ہے۔ اس لئے کہ ان سزاؤں سے خود کو بچانے کا کوئی اختیار مستحق سزا کو نہیں دیا جاتا اور سزا کے برداشت کرنے پر اسوقت وہ مجبور محض ہوتا ہے۔ بخلاف سزائے ارتداد کے کہ اس کا مستحق اگر چاہے تو اسکی سزا سے خود کو بچا لینے کا اختیار اسکو دیا جاتا ہے" جیسا مفصل گذر چکا ہے۔

اب قتل وصلب وغیرہ کی جن سزاؤں کو بحالت مجبوری برداشت کرنا پڑتا ہے اور ثبوتِ جرم کے بعد ان سزاؤں سے بچنے کا کوئی اختیار مجرم کو نہیں دیا جاتا۔ ان کو تو لا اکراہ فی الدین۔ اور دین میں جبر واکراہ کی نفی کے خلاف نہ سمجھنا اور ارتداد کی سزا کو اس کے خلاف سمجھنا عجیب قسم کا تضاد اور تمام امتِ مسلمہ کے خلاف قرآن فہمی کا نرالا طریقہ ہے۔

جرم ارتداد پر سزائے قتل کی وجہ | اب رہا یہ سوال کہ ترکِ اسلام اور ارتداد پر سزائے قتل کو تجویز ہی کیوں کیا گیا ہے۔؟ سو اسکی وجہ ظاہر ہے کہ ترکِ اسلام میں پوری ملّتِ اسلامیہ کا ہتک حرمت اور اسکی بے عزتی ہے۔ اگر کوئی شخص سرے سے اسلام کو قبول ہی نہ کرے تو اس پر کچھ جبر نہیں اور اس میں اسلام کی کچھ توہین نہیں ہے۔ لیکن اسلام کو برضا ورغبت قبول کر لینے کے بعد اس کے ترک کرنے اور ارتداد سے اسلام کی سخت توہین ہوتی ہے۔" سزائے ارتداد سے مقصدِ شریعت یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ ارتداد کے جراثیم سے متاثر نہ ہو۔ اور کمزور اور سادہ لوح مسلمانوں کے لئے اسلام کا ترک، فتنہ اور آزمائش کا سبب نہ بن جائے۔ شریعتِ اسلامیہ کی نگاہ میں ارتداد ایک مجسم فتنہ ہے۔ مرتد کی حالت کو دیکھ کر اور اس کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر دوسرے لوگوں کے فتنہ میں پڑ جانے اور ملتِ اسلامیہ کی حقانیت میں تذبذب اور تردد واقع ہونے کا سخت خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اور اسطرح ملت میں فسادِ عظیم اور فتنہ کے برپا ہونے کا قوی امکان پیدا ہو کر ملت کے شیرازہ بکھرنے کا پورا سامان جمع ہو جاتا ہے۔ اس فتنہ کے سدِ باب اور ملتِ اسلامیہ کو انتشار سے بچانے کے لئے ترکِ اسلام اور ارتداد کو قابلِ سزا جرم قرار دے کر اس پر سزائے قتل کو تجویز کیا گیا ہے۔ جب شریعتِ اسلامیہ نے ایک جان کے قتل اور ایک عورت کی ہتک عزت (زنا) کی سزا قصاص اور رجم کی صورت میں تجویز کی ہے تو پوری ملتِ اسلامیہ کی بے حرمتی اور ہتک عزت کو کیسے برداشت کیا جا سکتا تھا۔ اگر اس پر قتل کی سزا کو تجویز کر دیا گیا۔ تو اشکال کیوں کیا جاتا ہے۔"؟

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر ملت کو حفاظت خود اختیاری کے حق کی رو سے ایسے اقدامات کا حق پہنچتا ہے، جن کے ذریعہ پیدا شدہ فتنوں کے استیصال کے ساتھ متوقع خطرات اور انتشار

سے ملت کی حفاظت کی جا سکے اس لئے ایسے حفاظتی قوانین بنانے اور اقدامات کرنے سے ملتِ اسلامیہ کو بھی نہ تو محروم کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ ہی انکار یہ حق اس سے چھینا جا سکتا ہے۔

جس طرح دنیوی حکومتوں کیلئے یہ حق تسلیم کیا جاتا ہے کہ مملکت کی وضع کردہ بنیادی پالیسی کے خلاف کسی باشندے کے اقدام کرنے پر وہ سزائے موت تجویز کر دے کیا سرمایہ دار ممالک اپنے کسی باشندے کو مملکت کی بنیادی پالیسی کے خلاف اقدام کرنے اور اسے کمیونسٹ بن جانے یا کمیونسٹ نظریات کی تبلیغ کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔؟ اور اسی طرح کمیونسٹ ممالک اپنے کسی شہری کو غیر کمیونسٹ اقدامات کرنے کی کھلی چھٹی دیتے ہیں۔؟ ایسا کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے کیونکہ اس طرح ان کا نظامِ حکومت اور سلطنت کی بنیادی پالیسی تباہ ہو کر رہ جائے گی جسکو کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح مملکتِ اسلامیہ کا بھی یہ حق تسلیم کرنا ناگزیر ہے کہ وہ اپنی رعایا (مسلمانوں) کے لئے ایسا قانون بنا دے جسکی رو سے ملتِ اسلامیہ کی وضع کردہ بنیادی پالیسی کے خلاف اقدام کرنا ممنوع قرار پائے اور ملتِ اسلامیہ کی حدود سے نکلنا اور اسلام کا ترک کرنا ناممکن ہو جائے۔ اور اگر کوئی مسلمان ملتِ اسلامیہ سے بغاوت اور سرکشی اختیار کر کے اسلامی سرحد کو عبور کر جانے اور ارتداد کے جرم کا ارتکاب کرے تو اس پر سخت سے سخت سزا قتل کو تجویز کر دے اس سزا کو تجویز کر کے شریعتِ اسلامیہ نے درحقیقت مملکتِ اسلامیہ اور ملتِ اسلامیہ کی بنیادی پالیسی کی حفاظت کا حق ادا کیا ہے۔ اور اپنے حفاظتِ خود اختیاری کے حق کو استعمال کیا ہے ——— اب جو یہ کہا جا رہا ہے کہ بظاہر دنیادی نقطۂ نگاہ سے ایک مہذب ملک میں اس قسم کی سزا کا کوئی عقلی جواز نظر نہیں آتا (نوائے وقت حوالہ بالا) یا تو یہ کوتاہ نظری اور غلط نظری کا نتیجہ ہے یا پھر ملحدانہ پروپیگنڈے اور یورپین غلط نظریات سے مرعوبیت کا اثر ہے۔ ورنہ ملک و ملت کو فتنوں سے بچانے اور انتشار سے محفوظ رکھنے کیلئے اس قسم کی سزا کا کوئی عقلی جواز کیوں نظر نہیں آتا۔

خلاصہ | خلاصہ کلام یہ ہے کہ سزائے ارتداد کسی غیر مسلم کو بجبر و اکراہ اسلام میں داخل کرنے کیلئے مقرر نہیں کی گئی ورنہ غیر مسلم رعایا کو اسلامی سلطنت میں رہنے کی اجازت ہی نہ ہوتی اور کافر اصلی سے جزیہ قبول نہ کیا جاتا بلکہ یہ سزا مسلمانوں کو اسلام پر قائم رکھنے اور ملتِ اسلامیہ کو انتشار سے محفوظ رکھنے کیلئے بطور حفاظتی اقدامات کے تجویز کی گئی ہے۔

اور جب آیت زیرِ بحث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ کسی کو بجبر و اکراہ اسلام میں داخل نہیں کیا جاتا تو پھر آیت مذکورہ اور سزائے ارتداد میں تعارض ظاہر کر کے اس آیت کو سزائے ارتداد کی نفی پر دلیل بنانا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جس اکراہ کی اس آیت میں نفی کی گئی ہے سزائے ارتداد سے اس اکراہ کا ہرگز اثبات نہیں ہوتا۔ یہ محض مغالطہ اور فریب ہے۔ اسلئے یہ کہنا تو صحیح ہے کہ ہدایت کی راہ گمراہی سے متمیز ہو سکتی ہے۔ اس لئے بجبر داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہے" (حوالہ بالا) لیکن سزائے ارتداد کو بجبر اسلام میں داخل کرنے کیلئے سمجھنا ہی درحاصل مضمون نگار کی غلط فہمی ہے۔ اور اس سزا سے یہ نتیجہ نکالنا بھی غلط ہے کہ مرتد کو جبر و اکراہ سے اسلام میں داخل کیا جا رہا ہے۔ جیسا کہ تفصیلاً بالا سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکا ہے۔ ([illegible]